Al-'ULŪM *(Journal of Islamic Studies)*
2020, 1(1), 01 -24

قرآن میں "العزم" کا مفہوم اور اس کے عصری تقاضے

The Concept of "*al-'Azm*" in the Holy *Qur'ān* and its Contemporary Needs

Asghar Ali Khan (Ph.D)*[1], Abid ul Hassan **
*Assistant Professor, Mirpur University of Science & Technology (MUST), Mirpur, AJK.
**Mphil Scholar, Mirpur University of Science & Technology (MUST), Mirpur, AJK.

Keywords

Al-Qur'ān; al-'azm; Determination; Integrity; Motivation;

Abstract: *Islam is a complete code of life which presents a comprehensive guide to live as a Muslim. Islam encourages the human being to exercise his will in accordance with the divine teachings of Allah that were communicated through His sacred Prophets. However, many people ignore the teachings of Islam and endeavor to achieve their desires through fair or foul means which creates an imbalance in their lives. In this study, a clear message has been communicated particularly to the Muslims that obeying the laws as stipulated in the Holy Qur'an allow one to live a good life. The Holy Qur'an encourages people that when they decide to do something good then do it with full dedication. The lives of all the Prophets show their determination to achieve their goals. Allah (the almighty) taught His beloved Prophet Muhammad (PBUH), when you make al-'azm (strong determination) then trust in Allah Almighty. This study encompasses nine selected verses from the Holy Qur'an to elaborate the concept of al-'azm and other similar concepts. I have also searched into various exegesis of the Qur'an to further explore al-'azm. On the basis of this study, it has been concluded that al-'azm is understood to be a concentrated effort or strong determination to achieve a goal with clear objectives based on the Holy Qur'an. Al-'Azm also acts as motivator to accomplish the task with integrity and trustworthiness.*

Khan, A. A., and Hassan, A. (2019). The Concept of *"al-'Azm"* in the Holy Qur'an and its Contemporary Needs. *Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies*, 1(1), 1-24.

[1.] Corresponding Author: Email: asghar111@gmail.com

C

Content from this work is copyrighted by *Al-'Ulūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific

قرآن کریم بنی نوع انسان کے لیے رہنمائی و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔انسان پر منحصر ہے کہ وہ ہدایت حاصل کر کے کس طرح فلاح و بہبود کی طرف بڑھ سکتا ہے۔کسی بھی عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے عزم و ہمت اور جذبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔رسول اللہ ﷺ کے اُسوہ حسنہ پر نظر دوڑائی جائے تو مکہ کے کٹھن ماحول میں یہی جذبہ وعزم ملتا ہے، جس کے سامنے اہلِ عرب نے سر تسلیم خم کر دیے۔

قرآن کریم میں لفظ "عزم" بہت سے مقامات پر مختلف مفاہیم میں آیا ہے۔زیر نظر مقالہ میں ان تمام صیغ اور ان کے مفاہیم پر سیر حاصل گفتگو کی جائے گی۔اس موضوع پر کوئی خاص کتاب یا تحقیقی مواد نظر سے نہیں گذرا، البتہ مفسرین کے ہاں، مختلف تفاسیر میں، یہ مواد بکھرا پڑا ہے۔اس مقالہ میں منتشر مواد کو یک جا کر کے بیانیہ انداز میں ترتیب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

"العزم" کی لغوی تعریف

"عزم" کا مادہ "ع ز م" ہے۔اس کی جمع "عزائم" ہے۔قاموس میں عزم کے معنی کوشش اور ارادہ کے ہیں۔"عَزَمَ على الأَمْرِ يَعْزِمُ عَزْماً،تعَزَّمَ: أرادَ فِعلَهُ، وقَطَعَ عليه، أوْ جَدَّ في الأَمْرِ"[1] (کسی کام پر عزم کیا۔یعنی اُس کا ارادہ کیا، اُس پر فیصلہ کر لیا یا کام میں انتہائی کوشش کی۔)ابن منظور نے عزم کا معنی ارادہ کیا ہے۔"العَزْمُ: الجِدُّ. عَزَمَ عَلَى الأَمر أَراد فِعْلَه. وَقَالَ اللَّيْثُ: العَزْمُ مَا عَقَد عَلَيْهِ قَلْبُك مِنْ أَمْرٍ أَنَّكَ فاعِلُه"[2] (عزم کا مطلب کوشش کرنا ہے۔اُس نے کام کرنے کا عزم کیا۔لیث نے کہا: کسی بھی کام کے کرنے کا تیرا پکا ارادہ ہو اور تو اُس کو کر بھی لے یہی عزم ہے۔)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت، جس میں عزم کا ذکر کیا گیا ہے۔

"أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لأَبِي بَكْرٍ مَتى تُوتِرُ؟ فَقَالَ: أَوَّلَ الليلِ، وَقَالَ لِعُمَرَ: مَتَى تُوتِرُ؟ قَالَ: مِن آخرِ الليلِ، فَقَالَ لأَبِي بَكرٍ: أَخَذْتَ

1 – محمد بن یعقوب فیروزآبادی، القاموس المحیط (بیروت: مکتبہ تحقیق التراث، ۲۰۰۵ء)، ۱۱۳۷۔

2 – ابن منظور محمد بن مکرم، لسان العرب (بیروت: دار صادر، ۱۴۱۴ھ)، ۱۲: ۳۹۹۔

بالحَزْم، وَقَالَ لِعُمَر: أَخَذْتَ بالعَزْمِ."[3]

(نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ وتر کب ادا کرتے ہیں؟ انہوں نے عرض کی: اول رات میں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ وتر کب ادا کرتے ہیں؟ عرض کی: آخر رات میں۔ تو آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ نے احتیاط والا پہلو اختیار کیا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ نے عزم پر عمل کیا ہے۔)

علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے مراد بغیر تردد کے ارادہ کی پختگی لکھا ہے "**العزم: جزم الإرادة بغير تردد**"[4] (غیر شک کے ارادہ کی پختگی، عزم ہے۔ عزم کے مقابلے میں تردد، اضطراب، فتور کے الفاظ آتے ہیں۔)

"العزم" کی اصطلاحی تعریف

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے عزم کی تعریف اس طرح سے کی ہے "**وأصل العزم اعتقاد القلب على الشيء**"[5] (عزم کی اصل کسی چیز پر دل کا پختہ ارادہ ہے۔) ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عزم کا معنی لکھا ہے "**وأصل العزم النيّة واعتقاد القلب على الشيء.**"[6] (عزم کی اصل نیت اور کسی چیز پر دل کا پختہ ارادہ ہے۔)

عزم کے مترادفات

ا۔ الهم

"**الهم: هو عقد القلب على فعل شيء قبل أن يفعل، من خير أو شر**"[7] ("همٌّ" سے مراد کسی اچھے یا برے کام کے کرنے سے قبل، دل کا ارادہ ہے۔)

---

3 – ابو داؤد سلیمان بن اشعث، السنن، كتاب الصلاة، باب في الوتر قبل النوم (بیروت: المكتبة العصرية، س ن)، رقم: ۱۴۲۴۔

4 – علی بن محمد جرجانی، **كتاب التعريفات** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۸۳ء)، ۱۶۔

5 – محمد بن جریر الطبری، **جامع البيان في تأويل القرآن** (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۰ء)، ۱۸: ۳۸۳۔

6 – احمد بن محمد ثعلبی، **الكشف والبيان عن تفسير القرآن** (بیروت: دار إحياء التراث العربي، ۲۰۰۲ء)، ۶: ۲۶۲۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:﴿ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ ﴾[8] (جب ایک قوم نے آپ کی طرف ہاتھ بڑھانے (جنگ مسلط کرنے) کا پختہ اردادہ کر لیا تھا۔) **مشارق الأنوار** میں "هم" کا معنی لکھا ہے "**إذا هم أحدكُم بِأَمْر أَي قَصده وَاعْتَمدهُ بهمته وَهُوَ بِمَعْنى عزم**"[9] (جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے یعنی اُس کا قصد کرے اور اپنی ہمت کے ساتھ اس پر پختہ اعتماد کرے تو یہ عزم کا معنی ہے۔)

"العزم" اور "الھم" میں فرق

"**هم**" یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ترجیحاً کام کرنا چاہتا ہو لیکن کسی حد تک نہ کرنے کا ارادہ بھی ہو۔اس کے دل میں پیدا ہونے پر مواخذہ نہیں ہوتا۔اس میں جانب مخالف کی بھی کسی حد تک گنجائش ہوتی ہے۔اس کے برعکس کسی کام کا پختہ ارادہ، عزم کہلاتا ہے۔اس میں جانب مخالف کی گنجائش نہیں ہوتی۔

۲- الاصرار

اصرار کا معنی بھی عزم و ارادہ ہے، جیسا کہ احمد الفارس نے لکھا ہے: "**الْإِصْرَارُ: الْعَزْمُ عَلَى الشَّيْءِ**"[10] (اصرار کا معنی کسی شئے کا عزم کرنا ہے۔) اسی سے اردو زبان میں لفظ مصر بھی مستعمل ہے، جس کا مطلب کسی معاملے میں ڈٹ جانا ہے۔

۳- الحزم

علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب **التعریفات** میں لکھا ہے: "**الحزم: أخذ الأمور بالاتفاق**"[11] (جمہور کے نزدیک طے شدہ منصوبے اور احتیاط کے ساتھ کاموں کو سرانجام دینا حزم کہلاتا ہے۔)

7- جرجانی، **کتاب التعریفات**، ۲۵۷۔

8- القرآن ۵:۱۱۔

9- عیاض بن موسیٰ، **مشارق الأنوار علی صحاح الآثار** (بیروت: المکتبۃ العتیقۃ، س ن)، ۲:۲۷۰۔

10- احمد بن فارس، **معجم مقاییس اللغۃ** (بیروت: دار الفکر، ۱۹۷۹ء)، ۳:۲۸۲۔

11- جرجانی، **کتاب التعریفات**، ۸۲۔

مقاییس اللغة میں ہے "فَالْحَزْمُ: جَوْدَةُ الرَّأْيِ" [12] (رائے کی پختگی حزم ہے۔)

"العزم" اور "الحزم" میں فرق

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کا فرق بیان کیا ہے: "فَالْحَزْمُ جَوْدَةُ النَّظَرِ فِي الْأَمْرِ وَتَنْقِيحُهُ وَالْحَذَرُ مِنَ الْخَطَأِ فِيهِ. وَالْعَزْمُ قَصْدُ الْإِمْضَاءِ." [13] (معاملے کی اچھائی میں خوب غور و فکر کرنا اور اِس میں غلطی سے بچنا حزم ہے۔ اُس کو کر گزرنا عزم ہے۔)

۴- الهمة

کتاب التعریفات میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے: "الهمة: توجه القلب وقصده بجميع قواه الروحانية إلى جانب الحق؛ لحصول الكمال له أو لغيره" [14] "(حصول کمال کے لیے تمام روحانی طاقتوں کے ساتھ دل کا متوجہ ہونا ''همة'' کہلاتا ہے۔)

۵- الإرادة

ارادہ بھی عزم کے قریب ترین معنوں میں مستعمل ہے۔ جیسا کہ علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے:

''الإرادة صفة توجب للحي حالًا يقع منه الفعل على وجهٍ دون وجه، وفي الحقيقة: هي ما لا يتعلق دائمًا إلا بالمعدوم فإنها صفة تخصص أمرًا لحصوله ووجوده، كما قال الله تعالى: إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ''. [15]

(زندہ کے لیے ارادہ ایسی صفت ہے جس کے سبب فعل صادر ہوتا ہے، حقیقت میں اس کا تعلق معدوم (جو موجود نہ ہو) چیز سے ہے۔ یہ صفت کسی کام کے حصول اور وجود کو مخصوص کرتی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "بے شک یہ اُس کا امر ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو فرماتا ہے: "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔)

---

12 – فارس، مقاییس اللغة، ۲:۵۳۔

13 – محمد بن احمد القرطبی، الجامع لأحكام القرآن (قاہرۃ: دار الکتب المصریہ، ۱۹۶۴ء) ۴:۲۶۲۔

14 – جرجانی، کتاب التعریفات، ۲۵۷۔

15 – نفس مرجع۔

۶– المشيئة

لفظ مشيئة بھی چاہنے اور ارادہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، محمد بن ابی الفتح لکھتے ہیں: "معنى المشيئة الإرادة" [16] (مشیت سے مراد ارادہ ہے۔) اسی سے کلمہ ان شاء الله بھی مستعمل ہے جو کہ اللہ تعالی کی مشئیت اور ارادہ کو ظاہر کرتا ہے۔

"العزم" اور" المشيئة" میں فرق

عزم کا تعلق ارادہ کرنے والے کے ساتھ ہوتا ہے وہ کام کرے یا نہ کرے۔ ارادہ کرنا اُس کا اپنا فعل ہوتا ہے، کسی دوسرے کا نہیں۔ جب کہ مشیت کا تعلق دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے۔

۷– النِّية

نیت کا مطلب دل کے ارادہ کا ہونا ہے۔ جیسا کہ زبیدی نے لکھا ہے: "فإنَّها عزمُ القَلْب وتَوَجُّهه وقَصْدُه إِلَى الشيءِ" [17] (بے شک نیت سے مراد یہ دل کی پختگی، اس کا متوجہ ہونا اور کسی چیز کی طرف قصد کرنا نیت ہے۔)

"العزم" اور "النية" میں فرق

نیت فعل کے کرنے سے پہلے ارادہ کا ہونا ہے۔ نیت کا مطلب بُعد (دوری) ہے۔ کیونکہ نیت اور اُس کی مراد میں دوری موجود ہوتی ہے۔ نیز اس کے لیے اقدام کرنے میں قطعی فائدہ بھی موجود نہیں ہوتا۔ عزم کام کے کرنے سے پہلے فوراً ہوتا ہے یا پہلے موجود ہوتا ہے۔

۸– الرأى

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کے بارے میں پوچھا: ﴿فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾[18] (جو ارادہ کیا اس میں غور کرلو)۔ تفسیر مقاتل میں یہ معنی لکھے ہیں:

---

16 – محمد بن ابی الفتح، المطلع على ألفاظ المقنع (بيروت: مكتبة السوادى للتوزيع، ۲۰۰۳ء)، ۴۱۴۔

17 – محمد بن محمد زبیدی، تاج العروس من جواهر القاموس (بيروت: دار الهداية، س ن)، ۴۰: ۱۳۹۔

"أراد إبراهيم أن يعلم ما عنده من العزم" [19](ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے نفس میں جو عزم تھا اُس کو جاننے کا ارادہ کر لیا۔)

۹- الزَّمَع والزَّماع

"المضاء فِي الْأَمر، والعزم عَلَيْه" [20] (کام میں لگ جانا، اُس پر عزم کر لینا)۔جب انسان کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس میں ایک حرکت پیدا ہوتی ہے۔اس کو بھی زمعٌ کہا جاتا ہے: "الزَّمَعُ: رِعْدةٌ تَعْتَرِي الإِنسان إِذا هَمّ بأَمر." [21](وہ کڑک (کپکپاہٹ) جو کسی کام کا ارادہ کرنے سے انسان پر طاری ہوتی ہے۔)

قرآن میں "العزم" کا ذکر اور اُس کے مقامات

اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں تقریباًنو مقامات پر عزم کا ذکر فرمایا ہے۔نیز ہر ایک کو الگ الگ معانی و مفاہیم بھی عطا کیے گئے، مندرجہ ذیل بحث میں بالترتیب آیات مذکور ہیں۔

۱- ایلا کرنے کے بعد بیوی کو طلاق دینے کی نیت رکھنا۔﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَاءُوْ فَاِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ [22] (ان کے لیے جو قسم اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنی بیویوں کے قریب نہ جائیں گے مہلت ہے چار ماہ کی، پھر اگر رجوع کر لیں (اس مدت میں) تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔اور اگر پکا ارادہ کر لیں طلاق دینے کا تو بے شک اللہ کریم سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔)

۲- دورانِ عدت اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ

---

18 – القرآن ۳۷:۱۰۲۔

19 – مقاتل بن سلیمان، تفسير مقاتل بن سليمان (بیروت: دار إحياء التراث)، ۳:۶۲۵۔

20 – علی بن اسماعیل، المحكم والمحيط الأعظم (بیروت: دار الكتب العلمية، س ۲۰۰۰ء)، ۱:۵۳۸۔

21 – ابن منظور، لسان العرب، ۸:۱۴۴۔

22 – القرآن ۲:۲۲۶۔

النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾[23](پکی نہ کرلو نکاح کی گرہ، یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت اپنی انتہاء کو۔)

۳۔ مشورہ کرنے کے بعد جب عزم کر لیا تو پھر اللہ پر توکل کا حکم دیا گیا:﴿ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴾[24](اور جب آپ ارادہ کر لیں (کسی بات کا) تو پھر توکل کرو اللہ پر، بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے۔)

۴۔ مال و جان کی آزمائش، تکالیف پر صبر اور تقویٰ اختیار کرنے کو عزم امور میں سے کہا گیا ہے۔﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾[25](یقیناً تم اپنے اموال اور جانوں سے آزمائے جاؤ گے اور یقیناً تم سن لو گے ان سے جنہیں تم سے قبل کتاب دی گئی اور ان سے جنہوں نے شرک کیا اذیت دینے والی بہت باتیں، اور اگر تم (ان دل آزاریوں پر) صبر اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔)

۵۔ نماز قائم کرنا، اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنے کے بعد جو تکالیف اور آزمائشیں آئیں، ان پر صبر کرنا بھی عزم امور میں سے ہے۔﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾[26](میرے پیارے بچے! نماز صحیح صحیح ادا کرو نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکتے رہو اور صبر کیا کرو ہر مصیبت پر جو تمہیں پہنچے بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔)

۶۔ شیطانی وسوسوں اور نفس کی پیروی سے رکنے کے لیے عزم ضروری ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا:﴿ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾[27](اور ہم نے حکم دیا تھا آدم کو اس سے پہلے (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائے) سو وہ بھول گیا، اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اُس کا

23- القرآن ۲:۲۳۵۔
24- القرآن ۳:۱۵۹۔
25- القرآن ۳:۱۸۶۔
26- القرآن ۳۱:۱۷۔
27- القرآن ۲۰:۱۱۵۔

کوئی قصد۔)

۷۔ تکالیف اور مصائب پر صبر کرنا، نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے سے روکا گیا ہے۔ ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾[28] (اور جو شخص (ان مظالم پر) صبر کرے اور (طاقت کے باوجود) معاف کردے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔)

۸۔ سابقہ انبیاء اور اُن کی دعوت الی اللہ کی مشکلات کو بیان فرما کر عزم پر اُبھارا گیا۔ ﴿فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾[29] (پس (اے محبوب) صبر کیجئے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا، اور ان کے لیے (بددعا کرنے میں) جلدی نہ کیجیے۔)

۹۔ اسلامی اخلاقیات پر کاربند رہتے ہوئے عزم کی ترغیب دی گئی ہے۔ ﴿طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾[30] (کہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے، پھر جب حکم ناطق ہو چکا تو اگر وہ سچے رہتے اللہ تعالیٰ سے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا)۔

قرآن کریم میں موجود عزم اور اُس کی حقیقت

قرآن کریم میں مندرجہ ذیل مفاہیم اور احکامات کے لیے عزم کا ذکر کیا گیا ہے، جس کی تفصیل آنے والے صفحات میں بیان کی جارہی ہے:

ا۔ ایلاء اور طلاق کے درمیان عزم

ایلاء کا لغوی معنی "قسم اٹھانا" ہے۔ اسلام میں میاں اور بیوی ایک مضبوط بندھن میں آنے کے بعد اچھے تعلقات قائم نہ رکھ سکیں تو تادیباً، مرد کو عورت سے جدا ہونے کا اختیار دیا گیا ہے۔ لیکن یہ جدائی ایک مدت، یعنی چار ماہ تک ہو سکتی ہے۔ مرد کو غیر محدود اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ جب تک چاہے زمانہ جاہلیت کی طرح عورت کو چھوڑے رکھے اور جنسی اذیت پہنچاتا رہے۔ اسلام پر امن معاشرہ کی ترویج کو پسند کرتا ہے جس کے لیے میاں بیوی کے تعلقات کا بہترین ہونا بھی ضروری ہے۔ نیز مرد کو حکم دیا کہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھے انداز میں پیش

28- القرآن ۴۲:۴۳۔
29- القرآن ۴۶:۳۵۔
30- القرآن ۴۷:۲۱۔

آؤ۔اور اُس سے ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرو۔﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾[31] (اور زندگی بسر کرو اپنی بیویوں سے عمدگی سے، پھر اگر ناپسند کرو انہیں تو (صبر کرو)۔شاید تم ناپسند کرو کسی چیز کو اور رکھ دی ہو اللہ تعالیٰ نے اس میں (تمہارے لیے) خیرِ کثیر۔)

ایلاء کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ اِس کے بعد ازدواجی زندگی پر سکون اور خوش افزائش گزرے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایلاء فرمایا: "عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: آلَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نِسَائِهِ، وَكَانَتْ انْفَكَّتْ رِجْلُهُ، فَأَقَامَ فِي مَشْرُبَةٍ تِسْعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً، ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ آلَيْتَ شَهْرًا، فَقَالَ:إِنَّ الشَّهْرَ يَكُونُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ." [32] (انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج سے علیحدگی اختیار کر لی آپ ﷺ کے پاؤں کو موچ آگئی، آپ ﷺ کھانے پینے والے کمرہ میں اُنتیس ایام رہے پھر باہر تشریف لے آئے۔(صحابہ نے) عرض کی آپ نے ایک ماہ کی قسم نہیں اٹھائی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا! مہینہ اُنتیس ایام کا بھی ہوتا ہے۔)

قرآن مجید نے مسلمان مردوں کے لیے انتہائی عمدہ اور اَحسن اصول قائم کر دیا ہے تاکہ اگر وہ تأدیباً اپنی بیوی سے الگ رہیں تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ایک مدت میں بیوی سے رجوع نہ کیا تو اُس کے فوراً بعد بیوی کو اختیار ہے کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح کر لے۔اس لیے تمہیں بھی یہ لحاظ رکھنا ہے کہ کہیں تمہارا گھر ہی نہ اُجڑ جائے۔دوسری طرف اگر مرد یہ عزم کر لے کہ وہ بیوی سے الگ ہی رہے گا اور اُسے طلاق دے گا تو ایلاء کے بعد چار ماہ تک اُس سے جنسی تعلقات نہ رکھے۔طلاق کا ارادہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے بتا دیا: ﴿ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾[33] (اور اگر پکا ارادہ کر لیں طلاق کا تو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔)

---

31 - القرآن ۴:۱۹۔

32- محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، كتاب الصوم، بَابُ:إِذَا رَأَيْتُمُ الهِلاَلَ فَصُومُوا، وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطِرُوا (بیروت:دار طوق النجاة، ۱۴۲۲ھ)، رقم:۱۹۱۱۔

33- القرآن ۲:۲۲۷۔

دورِ جدید میں بھی اگر معاشرہ کی اصلاح کا ہونا ضروری ہے تو قرآن مجید کے ان اَٹل قوانین پر عمل کرنا اور معاشرتی زندگی میں ان کو پیش نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ معاشرے کے بگاڑ کی وجہ، جلد بازی اور بغیر سوچ سمجھے، معاشرتی فیصلے سرانجام دینا ہے۔ حالاں کہ اسلام اعتدال پسند دین ہے اور معتدل امور کو پسند فرماتا ہے۔

۲–دورانِ عدت عورت سے نکاح کا عزم کرنا

اسلام ہر ایک انسان کی عزتِ نفس کا مکمل خیال رکھنے والا دین ہے۔ یہ نہیں چاہتا کہ کسی کی دل آزاری ہو اور ایک دوسرے کے خلاف نفرت کا بیج پیدا ہو جائے۔ اس لیے جب کوئی عورت عدتِ وفات گزار رہی ہو تو اُس سے صراحتاً نکاح کرنے کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ غم و اندوہ کی ان گھڑیوں میں جب کہ ایک گھر بے چراغ ہو چکا ہے تمہارا جشنِ شادی منانے کی طرح ڈالنا کتنا معیوب ہے اور اس مرحوم کے ساتھ کتنی بے انصافی ہے کہ ابھی اس کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور اس کی بیوی کو شادی کا پیغام بھیجنے لگے ہو۔ ہاں پردہ داری سے اگر تم اپنے ارادہ کا اظہار کر دو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔[34]

اشارہ کنایہ سے اپنا مدعا ظاہر کرنا جائز ہے، ہاں یہ بات عدت وفات میں تو کہی جا سکتی ہے لیکن عدتِ طلاق میں نہیں کی جا سکتی کیوں کہ اس سے عورت کے خاوند کے ساتھ عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ یہ بات تمہارے دلوں میں ہی رہے زبان پر نہ آئے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ ﴾[35] (اور کوئی گناہ نہیں تم پر اس بات میں کہ اشارہ سے پیغام نکاح دو ان عورتوں کو یا جو چھپائے ہو تم اپنے دلوں میں جانتا ہے اللہ تعالیٰ کہ تم ضرور ان کا ذکر کرو گے)۔ جب اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر حکم دے دیا کہ نکاح کی گرہ دورانِ عدت نہ باندھو۔ جو اس جرم کا ارتکاب کرے گا وہ بڑے جرم کا ارتکاب کرے گا۔ لیکن دورِ جدید میں جدت پسندی کو بنیاد بنا کر دورانِ نکاح ہی مختلف چالیں اختیار کر کے صرف اپنے ساتھ نکاح کرنے کے لیے طلاق کی راہیں ہموار کرائی جاتیں ہیں۔ طلاق ہونے کے بعد مقصد ہی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا ہوتا ہے۔ جو کہ سراسر اللہ تعالیٰ کے اِس حکم کی مخالفت ہے۔ اور ایک مرد کے حق کو غصب کرنا ہے۔ جس سے معاشرہ بگاڑ اور تباہی و بربادی کی طرف جاتا نظر آتا

34– محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن** (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء)، ۱: ۱۶۳۔

35– القرآن ۲: ۲۳۵۔

ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو حدود مقرر کر دی ہیں ان سے تجاوز کرنا کھلی نافرمانی ہے ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾[36] (یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے قریب بھی نہ آؤ۔)

۳۔ مشاورت کرنے کے بعد توکل پر عزم کرنا

علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ مشورہ کا معنی لکھتے ہیں "والتَّشَاوُرُ والْمُشَاوَرَةُ والْمَشُورَةُ: استخراج الرّأي بمراجعة البعض إلى البعض، من قولهم:شِرْتُ العسل: إذا اتّخذته من موضعه، واستخرجته منه ۔ والشُّورَى: الأمر الذي يُتَشَاوَرُ فيه."[37] (مشاورت اور مشورہ کا معنی ہے بعض کا بعض کی طرف رجوع کر کے ان کی رائے کو حاصل کرنا، جب عرب والے کسی جگہ سے شہد کو نکالتے ہیں اور حاصل کرتے ہیں تو کہتے ہیں ''شرتُ العسلَ'' جس امر میں مشورہ طلب کیا جائے اس کو "شوریٰ" کہتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾[38] (اور ان کے سارے کام باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔)

مشورہ کے ذریعے مختلف آراء ظاہر ہوتی ہیں، اور مشورہ طلب کرنے والا ان مختلف آراء میں غور و فکر کرتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ کس کی رائے کتاب و سنت، حکمت اور موقع و محل کے مناسب ہے، جب اللہ اسے کسی رائے کی طرف ہدایت دے دے تو وہ اس رائے پر عمل کرنے کا عزم کرے اور اللہ پر توکل کر کے اس رائے کو نافذ کر دے۔[39]

امام ابو عبداللہ القرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"قال ابن عطية:والشورى من قواعد الشريعة و عزائم الأحكام ومن لا يستشير أهل العلم والدين فعزله واجب"[40] (مشورہ شریعت کے مسلمہ

36 – القرآن ۲:۱۸۷۔
37 – حسین بن محمد راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن (بیروت: دار القلم، ۱۴۱۲ھ)، ۴۷۰۔
38 – القرآن ۴۲:۳۸۔
39 – غلام رسول سعیدی، **تبیان القرآن** (لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۹ء)، ۲:۴۲۹۔
40 – القرطبی، الجامع، ۴:۲۴۴۔

اُصولوں اور اہم ترین اَحکام سے ہے۔اور جو حاکم اہلِ علم و دین سے مشورہ نہیں کرتا بلکہ خود رائی سے کام لیتا ہے اُسے معزُول کر دینا لازمی ہے۔)

اس کے بعد امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

> "خُلفاء اور حُکام پر واجب ہے کہ دینی معاملات میں عُلماء سے ، جنگی امور میں قائدینِ لشکر اور ماہرینِ حَرب سے ، عام فلاح و بہبُود کے کاموں میں سرداران قبائل سے اور ملک کی ترقی اور آبادی کے متعلق عقلمند وُزراء اور تجربہ کار عہدہ داروں سے مشورہ کریں۔"[41]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے۔حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی عمل فرماتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہی فرماتے تھے۔علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"**ما أمر الله نبيه بالمشاورة لحاجة منه الى رأيهم وانما أراد أن يعلمهم ما في المشاورة من الفضل ولتقتدى به امته من بعده**"[42] (اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے مشورہ کرنے کا حکم نہیں دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مشورہ کی ضرورت تھی بلکہ اس میں حکمت یہ تھی کہ انہیں مشاورت کی شان کا پتہ چال جائے نیز یہ کہ مشورہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بن جائے اور امت مسلمہ اس کی اقتداء اور اتباع کرے۔)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے امام حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اسی بارے میں ایک روایت نقل کی ہے"**إِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَغَنِيًّا عَنِ الْمُشَاوَرَةِ، وَلَكِنَّهُ أَرَادَ أَنْ يَسْتَنَّ بِذَلِكَ الْحُكَّامُ بَعْدَهُ**"[43](بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ سے غنی ہیں لیکن یہ بعد والے حکام کے لیے اس کو سنت بنایا۔)

صحابہ سے مشورہ کرنے کی ایک اور وجہ بھی لکھی ہے:"**تطيباً لنفوسهم و رفعا لأقدارهم**"[44] (صحابہ کے دِلوں کو خوش کرنا اور ان کی قدر و منزلت کو بڑھانا مقصود تھا)"**عَنِ ابْنِ غَنْمٍ الْأَشْعَرِيِّ: أَنَّ النَّبِيَّ**

41- نفس مرجع۔

42- نفس مرجع، ۴: ۲۵۰۔

43- احمد بن حسین بیہقی، السنن الکُبری، کتاب النکاح، باب ما أمرالله به من المشورة (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۲۰۰۳ء)، حدیث ۱۳۳۰۴۔

44- القرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۴: ۲۵۰۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ " لَوِ اجْتَمَعْتُمَا فِي مَشُورَةٍ مَا خَالَفْتُكُمَا"[45](حضرت عبد الرحمن بن غنم اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اگر تم دونوں کسی مشورہ پر متفق ہو جاؤ تو میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔)

توکل کا مفہوم

توکل کا معنی ہے ”ضامن ہونا، پناہ میں دینا، اعتماد کرنا اور سپرد کرنا ہے۔[46]

توکل کے ان مفاہیم کو احادیث مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے۔جیسا کہ صحیح بخاری کی سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: ”قَالَ:مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ“[47](جو شخص دو جبڑوں اور دو ٹانگوں کے درمیان کا متوکل (ضامن) ہوا، میں اس کے لیے جنت کا متوکل (ضامن) ہوں۔)یعنی جس نے اپنے منہ کو حرام کھانے اور فرج کو حرام کاری سے بچایا میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔ابو داؤد کی روایت کردہ حدیث پناہ کے معنی پر دلالت کرتی ہے۔”فَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ“[48](مجھے پلک جھپکنے کے لیے بھی غیر کے توکل (پناہ) میں نہ دے یا غیر کے سپرد نہ کر۔)

> خوب غور و فکر، بحث و تمحیص کے بعد جو فیصلہ کیا جائے اُس کو عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کر لینے کو عزم کہتے ہیں۔بغیر سوچے سمجھے کسی کام کے کرنے میں لگ جانا عزم نہیں ہے۔ایک بات طے کر لینے کے بعد پھر تذبذب کا شکار ہو جانا پیغمبر کی شایانِ شان نہیں اور نہ مومن کو ایسا کرنا زیبا ہے کیونکہ اس سے دل میں کمزوری اور مزاج میں تلوّن پیدا ہو جاتا ہے۔[49]

اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو پرزور انداز میں بیان فرمایا: ﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾[50] (اور جب آپ ارادہ کر لیں تو پھر توکل کرو اللہ پر بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توکل کرنے

45۔ احمد بن حنبل، المسند، باب حديث عبد الرحمن بن غنم الأشعرى (بيروت:مؤسسة الرسالة،۲۰۰۱ء)، حدیث ۱۷۹۹۴۔

46۔ مبارک بن محمد ابن اثیر، النهاية فى غريب الحديث والأثر (بيروت:المكتبة العلمية،۱۹۷۹ء)، ۵:۲۲۱۔

47۔ بخاری، الجامع الصحيح، حدیث ۶۴۷۴۔

48۔ ابو داؤد، السنن، حدیث ۵۰۹۰۔

49۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، ۲:۲۹۱۔

50۔ القرآن ۳:۱۵۹۔

والوں سے۔) جب ایک بات کو فیصلہ کر لیا اور اُس پر عزم کر لیا تو اُس بات سے پیچھے ہٹنا نہ نبی کا شیوہ ہے اور نہ مسلمانوں کی عادت ہے۔ فیصلہ کے بعد اللہ پر بھروسہ کر کے اس کو سرانجام دینا ہے۔ نتیجہ جو بھی ہو وہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔ جب بھی کوئی کام کیا جاتا ہے تو اُس سے پہلے اجلاس بلایا جاتا ہے اور اس میں جو متفقہ فیصلہ ہوتا ہے وہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یہی مشورہ اور عزم ہے۔

۴۔ آزمائشوں پر صبر اور تقویٰ اختیار کرنے کا عزم

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے چاہنے والوں کے لیے واضح اعلان فرمایا: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾[51](ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف اور بھوک، اور کمی کرنے سے (تمہارے) مالوں اور جانوں اور پھلوں میں اور خوشخبری سنایئے ان صبر کرنے والوں کو۔)

غم اور تکلیف کو بھی بلاٗ کہا جاتا ہے کیونکہ یہ بھی انسانی جسم کو آزمائش میں ڈالتے ہیں اور اسے ختم کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو خوشیاں شکر کرنے کے لیے اور تکالیف صبر کرنے کے لیے دیتا ہے۔ امتحانات صبر کرنے کے لیے اور انعامات شکر کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ مال، جان، عزت میں آزمائش پر صبر کرنا آسان ہوتا ہے مگر اللہ کے دین کے ساتھ دشمنی کو برداشت کرنا اور اس پر صبر کرنا بڑا کٹھن مرحلہ ہے۔

مشرکین اور اہلِ کتاب نے اپنے ہاتھ سے بھی تکالیف دیں۔ طائف میں خون بہایا، مکہ میں جسم اطہر پر اوجھڑی ڈالی گئی، گلے میں چادریں ڈالیں گئیں۔ اسی طرح زبان سے جو تکالیف، ابوجہل کا پیچھے پھر پھر کے دیوانہ و مجنوں کہنا، شاعر کہنا، مدینہ میں آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا بھی انتہائی ناقابل برداشت تھیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے سب پر صبر کے دامن کو ہاتھ نہ چھوٹنے دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا واضح پیغام موجود تھا: ﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾[52] (تم آزمائے جاوگے اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں اور یقیناً تم سنوگے ان سے جنھیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور ان

51۔ القرآن ۲:۱۵۵۔

52۔ القرآن ۳:۱۸۶۔

لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا اذیت دینے والی بہت باتیں اور اگر تم ان پر صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔)

مسلمانوں کو کچھ مصائب و مشکلات اور دنیا کی تنگی بھی پیش آجائے تو یہ کوئی تعجب کی بات ہے نہ غمگین ہونے کی، کیونکہ اس حقیقت سے کسی مذہب و مشرب والے کو اور کسی فلسفہ والے کو انکار نہیں ہو سکتا، کہ دنیا کی رنج و راحت دونوں چند روزہ ہیں، کوئی جاندار موت سے نہیں بچ سکتا، اور دنیا کی راحت و مصیبت اکثر تو دنیا ہی میں حالات بدل کر ختم ہو جاتی ہیں، اور بالفرض دنیا میں نہ بدلی تو موت پر سب کا خاتمہ ہو جانا یقینی ہے۔ عقل مند کا کام اس چند روزہ راحت و رنج کی فکر میں پڑے رہنا نہیں بلکہ مابعد الموت کی فکر کرنا ہے۔[53]

اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَکَ وَبَيْنَه عَدَاوَةٌ کَاَنَّه وَلِیٌّ حَمِيْمٌ﴾[54] (نہیں یکساں ہوئی نیکی اور برائی، برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے۔ پس ناگہاں وہ شخص، تیرے درمیان اور اُس کے درمیان عداوت ہے، یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔)

مصائب و آلام کے بغیر زندگی اور دنیا کی ترقی ناپید ہے بلکہ کامیابی کے لیے اُن مصائب کے اوپر صبر کا عزم کرنا ایک ابتدائی عمل ہے۔

۵۔ اچھے کاموں کی انجام دہی پر عزم کرنا

اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اچھائی کا پرچار اور برائی سے روکنا بہت بڑا فریضہ ہے۔ دینِ حق کے احکامات پہنچانے میں تکالیف اور مشکلات بھی پیش آتی ہیں۔ جن کو برداشت کرنا عزم امور میں سے ہے۔ مومن کی دو ذمہ داریاں ہیں۔ اپنی ذات کی تکمیل اور دوسروں کی صلاحیتوں کی حتی الوسع نشو و نما۔ اپنی ذات کی تکمیل کے لیے نماز کا حکم دیا، دوسروں کی تربیت اور تکمیل کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا۔[55]

53 – مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن** (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، س ن)، ۲:۲۵۵۔

54 – القرآن ۴۱:۳۴۔

55 – محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، ۳:۲۰۹۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "أَقِمِ الصَّلاةَ تكميلا لنفسك وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ تكميلا لغيرك" [56] (اپنے نفس کی تکمیل کے لیے نماز قائم کرو۔ اور دوسرے کے (نفس) کی تکمیل کے لیے اچھائی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو۔)

اس میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ جو شخص بھی نیکی کا حکم دینے اور بدی سے روکنے کا کام کرے گا اس پر مصائب کا نزول ناگزیر ہے لہذا اسے ہر قسم کی اذیتوں سے سابقہ پیش ہو کر رہتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بڑے حوصلے کا کام ہے۔ اصلاحِ خَلق کے لیے اٹھنا اور اس کی مشکلات کو پست انگیز کرنا کم ہمت لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے یہ ان کاموں میں سے ہے جن کے لیے بڑا دل گردہ چاہیے۔[57]

صبر کا ایک معنی ہے، کسی کی موت، یا کسی نقصان یا کسی بیماری اور تکلیف کے وقت جزع، فزع اور رونے پیٹنے سے اپنے نفس کو روکنا یا حالت غضب اور جوشِ انتقام کے وقت اپنے نفس کو تجاوز اور حد سے بڑھنے سے روکنا، یا غلبہ شہوت کے وقت اپنے نفس کو فسق و فجور سے روکنا، اور اس کا جامع معنی یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے تمام منع کیے ہوئے کاموں سے روکنا۔[58]

اسی لیے حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نماز قائم کرنے، اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے بعد اس بات کی بھی نصیحت فرمائی کہ مشکلات کے لیے بھی تیار رہنا۔ اگر ان مشکلات کو صبر سے برداشت کر لو تو یہ عزم امور میں سے ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾[59] (میرے پیارے بچے! نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو، نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکتے رہو، اور صبر کیا کرو ہر مصیبت پر جو تمہیں پہنچے بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔)

56- محمود بن عبداللہ آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی(بیروت:دار الکتب العلمیۃ،۱۴۱۵ھ)،۱۱:۸۸۔

57- ابو الاعلیٰ مودودی، **تفہیم القرآن**(لاہور:مکتبہ قدوسیہ، س ن)،۴:۱۷۔

58- سعیدی، **تبیان القرآن**،۹:۲۶۷۔

59- القرآن ۳۱:۱۷۔

۶۔ آدم علیہ السلام کا معصیت پر عزم نہ کرنے کی تعریف کرنا

آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع کرنے کے باوجود شیطان نے اپنے جال میں پھنسا لیا۔ جس سے انسان اور شیطان کی ازلی جنگ شروع ہو گئی۔

انسان کی سعادت و شقاوت کا انحصار اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہے۔ آج یہ کوئی نئی بات نہیں کی جارہی ہے کہ اس کی پیروی کرو گے تو گمراہی و بد بختی سے محفوظ رہو گے ورنہ دنیا و آخرت دونوں میں مبتلائے مصیبت ہو گے۔[60] اگر انسان کوئی خطاء کر جائے لیکن عزم و ارادہ سے نہ کرے بلکہ اُس کے بعد سچے دل سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ انسان کو معاف فرما دیتا ہے۔ پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:

> " حکم عدولی یقیناً ہو گئی لیکن نافرمانی کا قصد ہر گز نہ تھا۔ قصور بلاشبہ سرزد ہو گیا تھا لیکن قصور وار بن کر سامنے آنے کا ارادہ موجود نہ تھا۔ زبانِ قدرت نے خود عذر بیان کر دیا فرمایا﴿ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ﴾ آدم علیہ السلام نے یہ غلطی دانستہ نہیں کی بلکہ بھولے سے بلا ارادہ یہ خطا ہو گئی۔"[61]

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارادہ بالکل نہ تھا۔ بلکہ شیطان کی باتوں میں آکر، یہ عمل سرزد ہو گیا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے معافی بھی عطا فرمائی۔

۷۔ صبر کرنا اور دوسرے کی زیادتی کو معاف کر دینا

انسانی معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسرے کی طرف سے زیادتی ہونے پر صبر کا راستہ اختیار کرنے کا بہترین طریقہ بتایا ہے۔ ورنہ انتشار بڑھتا جائے گا اور صرف ایک فرد اس میں شامل نہیں ہو گا بلکہ پورا معاشرہ انتقام لینے کے فعل میں شامل ہو جائے گا۔ اور معاشرہ بگاڑ کی طرف چلا جائے گا۔ لیکن جو صبر کر گیا اُس نے عزم کو پا لیا۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت " وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ " کی وضاحت اس طرح کی ہے:

> یعنی کسی مسلمان کی طرف سے تکلیف پر صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ کے لیے بدلا لینے کو چھوڑ دینا۔ یہ حکایت کی جاتی ہے کہ حسنؒ کی مجلس میں ایک آدمی نے دوسرے کو برا بھلا کہا۔ جس کو برا بھلا کہا وہ خاموش رہا اپنے پسینے کو صاف کیا۔ اُس کے بعد یہ آیت " وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ " تلاوت کی۔ حسنؒ نے کہا: اللہ کی قسم اِس نے آیت

60 – مودودی، **تفہیم القرآن**، ۳: ۱۲۹۔

61 – محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، ۳: ۱۴۰-۱۴۱۔

کے ساتھ عقل مندی کی اور اس کو سمجھ گیا جب کہ جاہلوں نے اِس کو ضائع کیا۔ معاف کر دینا اچھا عمل ہے۔" إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ " یعنی ان نے فداء ہونے کو قبول کیا اور تکالیف پر صبر کیا۔[62]

مصائب و تکالیف کا ہونا ازلی اصول ہے۔ ہر انسان پر مشکل اور کٹھن مراحل آتے ہیں۔ دوسروں کی طرف سے اذیتیں بھی آتی ہیں لیکن جس نے صبر کیا اور بدلا نہ لیا اللہ تعالیٰ نے اُس کے فعل کو عزم امور فرمادیا ہے: ﴿ وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴾۔[63]

۸۔ حضور ﷺ کو اولوالعزم رسولوں کی پیروی کا حکم دینا

انبیاء ورسل کی آزمائش بھی ان کے مقام کے مطابق سخت ہوتی ہے۔ تمام انبیاء اولوالعزم ہی ہیں۔ جیسا کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے "**كلّ الرسل كانوا أولي عزم لم يتخذ الله رسولا إلا كان ذا عزم**"[64] (لیکن یہاں خصوصیت سے مراد نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ مراد ہیں)۔ امام حاکم نے اس کی تائید میں ایک روایت نقل کی ہے: "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: " سَيِّدُ الْأَنْبِيَاءِ خَمْسَةٌ وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الْخَمْسَةِ: نُوحٌ وَإِبْرَاهِيمُ وَمُوسَى وَعِيسَى وَمُحَمَّدٌ صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ "[65] (انبیاء کے پانچ سردار ہیں اور محمد ﷺ پانچوں میں سے سردار ہیں: نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ۔)

توحید کی دعوت دینا اور انسانوں کو ایک رب کی عبادت کی طرف بلانا بڑا مشکل مرحلہ تھا لیکن اس سے برگزیدہ رسولوں کی آزمائش بھی تو مطلوب تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام انسان مؤمن ہی ہوتے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا

---

62 – القرطبی، الجامع، ۱۶:۴۴۳۔

63 – القرآن ۴۲:۴۳۔

64 – طبری، جامع البیان، ۲۲:۱۴۵۔

65 – حاکم محمد بن عبداللہ، **المستدرک علی الصحیحین**، کتاب تواریخ المتقدمین من الأنبیاء والرسل، باب ذکر نوح النبی ﷺ اختلفوا فی نوح و إدریس (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۹۹۰ء)، حدیث ۴۰۰۷۔

مُؤْمِنِيْنَ﴾[66](اگر چاہتا آپ کا رب تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب، کیا آپ مجبور کرنا چاہتے ہیں لوگوں کو یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں۔)

ما قبل انبیاء کرام کو رشتہ داروں نے کم اور دوسروں نے زیادہ اذیتیں دیں مگر رسول اللہ ﷺ کو جو تکالیف اپنوں نے پہنچائیں وہ برداشت سے باہر تھیں۔ مگر آپ ﷺ نے ان تمام تکالیف و آزمائشوں کو بڑے اَحسن انداز میں برداشت کیااور دینِ حق کی دعوت پر کاربند رہے﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾۔[67]

۹- پختہ حکم کے بعد اچھائی پر قائم رہنا

دعویٰ کی دلیل، عمل کا ہونا ہے۔ جب تک کسی بھی بات کو عملی جامہ نہ پہنایا جائے گا وہ دعویٰ پختہ نہیں ہو گا۔ زبان سے بہت بڑی بڑی باتیں کی جائیں مگر جب عمل کا وقت آئے تو انسان اُس پر قائم نہ رہے، یہ انسانیت کی معراج نہیں ہے۔ کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ بھی اسی طرح کے دعوے کرتے مگر جب دلیل کی بات آتی تو اپنے دعوے سے پھر جاتے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾[68](کہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے، پھر جب حکم ناطق ہو چکا تو اگر وہ سچے رہتے اللہ تعالیٰ سے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔)

قرطبی نے اس کا معنی اس طرح لکھا ہے "فَإِذَا عَزَمَ أَصْحَابُ الامر. " فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ" أَيْ فِي الْإِيمَانِ وَالْجِهَادِ." لَكانَ خَيْراً لَهُمْ" من المعصية والمخالفة"[69](جب اَصحابِ امر نے عزم کر لیا اگر وہ ایمان اور جہاد میں اللہ کے ساتھ سچے رہتے تو نافرمانی اور مخالفت سے یہ ان کے لیے اچھا تھا۔)

عصر حاضر میں عزم کے تقاضے

دور حاضر میں انسانی رویوں کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر فرد اپنی ذات کے لیے دن رات کاوش کر رہا ہے۔ دوسروں کے دکھ درد و تکالیف کا اِحساس کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے۔ حالاں کہ انسانی ذمہ داری

---

66 – القرآن ۱۰:۹۹۔

67 – القرآن ۴۶:۳۵۔

68 – القرآن ۴۷:۲۱۔

69 – القرطبی، الجامع ،۱٦:۲۴۴۔

ہے کہ وہ مثبت معاشرہ کے پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کرے۔ اس کے لیے اچھے روابط و تعلقات کا ہونا ضروری ہے، مگر ان کی کمی ہے۔ جس وجہ سے معاشرہ ترقی کے بجائے تنزلی کی طرف گامزن نظر آتا ہے۔

آپس میں ایک دوسرے کو برداشت کرنا اور اچھے ارادے کے ساتھ کسی کو مشورہ دینا، اللہ تعالیٰ کے احکامات میں سے ہے۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ یہ عزم کیا جائے کہ مثبت معاشرہ کو پروان چڑھانے کے لیے اچھے تعلقات استوار کیے جائیں گے۔ ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھا جائے گا۔ باہمی اختلافات کو ختم کر کے اللہ کی رضا کے لیے دوسروں کو معاف کرنے کا عزم کیا جائے گا۔ اس سے ایک تو اللہ کی رضا حاصل ہو گی اور دوسرا معاشرتی بگاڑ کم سے کم ہو گا۔ انسانیت اپنے عروج کی طرف سفر کرے گی۔

خلاصہء بحث

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر بے شمار صلاحتیں رکھی ہیں۔ ان کو بروئے کار لا کر انسان کامیاب ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو نعمتیں عطا کر کے اور اس سے کسی چیز کو واپس لے کر آزماتا ہے۔ جب ایک انسان ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہمت و حوصلہ عطاء فرماتا ہے۔ ہر کام میں سب سے اول ارادہ ہوتا ہے۔ جب ایک بندہ کسی عمل کی انجام دہی کے لیے ارادہ کرتا ہے تو اُس کے بعد نتیجہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر چھوڑ دینے میں ہی فائدہ ہے۔ کیونکہ ارادہ اور انجام دہی یہ بندے کا کام ہے اور اس کا نتیجہ وصلہ دینا اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ جب عزم و ارادہ کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر لیا جائے۔ **توکل علی اللہ** ہی عمل کے دوران برکت اور آسانی کا سبب بنتا ہے۔ اگر ہم انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگیوں کو دیکھیں تو انہوں نے عزم و ارادہ کے بعد اللہ پر توکل اختیار کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ میں اسی طرف رہنمائی ملتی ہے۔ اس لیے آج ضرورت اس امر کی ہے کہ کام کرتے رہیں مگر توکل اللہ پر رکھیں اسی میں کامیابی و ترقی ہے۔

سفارشات

- مادہ پرستی کی وجہ سے ہر انسان دنیا کے پیچھے کے بلا خوف و خطر بھاگنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے حالاں کہ امور کی انجام دہی میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔
- اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بار بار فرماتے ہیں کہ معاف کیا کرو۔ ایک دوسرے کی خطا کو معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ خطاؤں کو معاف فرما دیتا ہے۔ یہ معافی عزم اَمور میں سے ہے۔ معاشرہ کی فلاح و کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ آپس کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو معاف کر دیا جائے۔

- یہ عزم تو نظر آتا ہے کہ کسی دوسرے انسان سے مشورہ نہیں لینا، کیوں کہ اس پر بھروسہ کی کمی ہے۔ مگر یہ عزم نظر نہیں آتا کہ مشورہ کرنا سنتِ رسول ﷺ ہے اور اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مشاورت سے امور کی انجام دہی کی جائے۔
- اللہ تعالیٰ انسانوں کو مختلف طریقوں سے آزمائش میں ڈالتا ہے۔ اس میں برداشت و صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے، صبر سے کام لینا عزم امور میں سے ہے۔ آزمائشوں پر صبر کرنا اور دوسروں کو اس کی تلقین کرنے کی ضرورت ہے۔
- نیکی کی دعوت دینا اور برائی سے منع کرنا ایک فریضہ ہے۔ مگر دور حاضر میں کوئی انسان دوسروں کی خیر کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے نظر نہیں آتا۔ نہي عن المنكر پر عمل پیرا نہ ہونے کے سبب بھی معاشرتی بگاڑ پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ اس امر کے لیے عزم کی ضرورت ہے تاکہ معاشرتی بگاڑ سے محفوظ رہا جا سکے۔

مصادر و مراجع

۱۔ القرآن الکریم۔

۲۔ ابن منظور محمد بن مکرم، لسان العرب، بیروت: دار صادر، ۱۴۱۴ھ۔

۳۔ ابو داؤد سلیمان بن اشعث، السنن، بیروت: المکتبة العصریة۔

۴۔ احمد بن فارس، معجم مقاییس اللغة، بیروت: دار الفکر، ۱۹۷۹ء۔

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، بیروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۱ء۔

۶۔ ابن الأثیر مبارک بن محمد، النهایة فی غریب الحدیث والأثر، بیروت: المکتبة العلمیة، ۱۹۷۹ء۔

۷۔ محمود بن عبد الله آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۴۱۵ھ۔

۸۔ محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، بیروت: دار طوق النجاة، ۱۴۲۲ھ۔

۹۔ احمد بن الحسین بیہقی، السنن الکُبریٰ، بیروت: دار الکتب العلمیة، ۲۰۰۳ء۔

۱۰۔ احمد بن محمد ثعلبی، الکشف والبیان عن تفسیر القرآن، بیروت: دار إحیاء التراث العربی، ۲۰۰۲ء۔

۱۱۔ علی بن محمد جرجانی، کتاب التعریفات، بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۹۸۳ء۔

۱۲۔ حاکم محمد بن عبد الله، المستدرک علی الصحیحین، بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۹۹۰ء۔

۱۳۔ حسین بن محمد راغب اَصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، بیروت: دار القلم، ۱۴۱۲ھ۔

۱۴۔ محمد بن محمد زبیدی، تاج العروس من جواهر القاموس، بیروت: دار الهدایة۔

۱۵۔ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۹ء۔

۱۶۔ محمد بن جریر طبری، جامع البیان فی تأویل القرآن، بیروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۰ء۔

۱۷۔ عیاض بن موسیٰ، مشارق الأنوار علی صحاح الآثار، بیروت: المکتبة العتیقة۔

۱۸۔ علی بن اسماعیل، المحکم والمحیط الأعظم، بیروت: دار الکتب العلمیة، ۲۰۰۰ء۔

۱۹۔ محمد بن یعقوب فیروزآبادی، القاموس المحیط، بیروت: مکتب تحقیق التراث، ۲۰۰۵ء۔

۲۰۔ محمد بن احمد قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، قاہرة: دار الکتب المصریة، س ۱۹۶۴ء۔

۲۱۔ محمد بن ابی الفتح، المطلع علی ألفاظ المقنع، بیروت: مکتبة السوادی للتوزیع، ۲۰۰۳ء۔

۲۲۔　مقاتل بن سلیمان، تفسیر **مقاتل بن سليمان**، بیروت: دار إحياء التراث۔

۲۳۔　پیر محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء۔

۲۴۔　مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن**، کراچی: مکتبہ معارف القرآن۔

۲۵۔　ابو الاعلی مودودی، **تفہیم القرآن**، لاہور: مکتبہ قدوسیہ۔